بانو قدسیہ کے افسانوں میں نسوانی کردار: ایک جائزہ

ڈاکٹر طاہر عباس طیب [1]م ڈاکٹر شگفتہ فردوس **

Abstract:

"Bano Qudsia is a prolific star of Urdu literature, she is not only a writer but also a scholar and holds a unique place in Ashfaq Ahmad's companionship. she has given place to women of all ages and classes in their legends and has revealed the problems of their lives by observing them very closely. They are found to be carrying out their duties with great confidence. The woman of her fiction is also obsessed with Mamta's pure sentiments. Her fiction is also a sculpture of realism. Her fiction provides full justice to the characters. The essence of doing this is the perfection of Bano Qudsia's pen. she made a name for herself through her unique creative endeavors. In her fiction, social consciousness, human psychology and inner condition of the individual can be clearly seen. In her fictions, especially the social status of woman, inner and psychological conditions are beautifully presented."

بانو قدسیہ کا شمار اردو کی اہم خواتین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی منفرد تخلیقی کاوشوں کے ذریعے سےاپنی الگ پہچان بنائی ۔ ان کی افسانہ نگاری میں سماجی شعور، انسانی نفسیات اور فرد کی داخلی کیفیات کوواضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے ۔انہوں نے اپنے افسانوں میں خاص طور پر عورت کی معاشرتی حیثیت،داخلی و نفسیاتی کیفیات کو خوبصورتی سےپیش کیا ۔ انہوں نے عورت کے باطن میں جھانک کراس کا چہرہ دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ اُن کے افسانوں میں المیاتی انداز نمایاں ہے۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

> ''ان کے افسانوں میں مرداور عورت کے معاشرتی روحانی اور جسمانی روابط نت نئی کروٹیں لیتے آئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انھوں نے عورت کی آدھی دنیا کو جس طرح اپنے افسانوں میں سمیٹا ہے انہی کا حق ہے۔بانو قدسیہ کے افسانوں میں نئی اور پرانی اقدار کا تصادم اور رسوم ورواج کی جکڑ بندیوں، ازدواجی زندگی کی پیچیدگیوں کے ساتھ کچھ اس طرح مربوط اور منسلک ہیں کہ انھیں الگ لگ خانوں میں بانٹ کر نہیں دیکھا جا سکتا۔''(۱)

بانو قدسیہ ایک باشعور افسانہ نگار جنہوں نے افراد اور اشیا ء کو محض محسوساتی سطح پر نہیں دیکھا بلکہ وہ انسان کی داخلی کیفیات کوپوری گہرائی کے ساتھ اپنے افسانوں میں سموتی ہیں۔ وہ فرد کے باطنی کرب سے متعلق گہری نظر رکھتی ہیں۔ وہ کردار کو تراشتے ہوئے انسانی نفسیات کا خاص خیال رکھتی ہیں۔ان کے کرداراداخلی کیفیات،تشنگی، تنہائی، محبت،جنس،انسانی اقداراور معاشرتی حقیقتوں کے آئینہ دار ہیں۔ ان میں بے ساختگی اور مثالیت پسندی بھی پائی جاتی ہے ۔ان کے ہاں عورت کا کردار اپنی تمام تر معاشی و معاشرتی،نفسیاتی و جنسی،داخلی اور خارجی کیفیات کے ساتھ جلوہ گرہیں۔ان کے افسانوں میں عورت کے مختلف روپ دیکھے جا سکتے ہیں کہیں وہ مضبوط ہے اور کہیں سماجی استحصال کا شکار نظر آتی ہے۔ یہ کردار ہمارے اردگرد کے ماحول سے مطابقت رکھتے ہوئے چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں ۔ ڈاکٹر ایم۔سلطانہ بخش لکھتی ہیں:

---

[1]استاد،شعبہ اردو،جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

** استاد،شعبہ اردو،جی سی ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

''بانو قدسیہ کے افسانوں کی عورت داستانوی اور انٹلیکچول عورت کے درمیان کی کڑی ہے۔جس کی روح کے مسائل کے ساتھ جسمانی مسائل بھی ہیں وہ اپنے افسانوں میں بغاوت پر آمادہ نہیں کرتی بلکہ عورت کو ایک عورت بننااور مرد کو ایک محافظ مرد بننا سکھاتی ہے۔ ان کی کہانیوں کا تار وپودمعاشرتی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے ان کے افسانوں میں اعلی سوسائٹی کے چونچلے،ان کا منافقانہ رویہ کھوکھلا پن اور ریا کاری بھی ہے ان کی کردار نگاری میں ان کامشاہدہ نمایاں ہے۔''(۲)

بانو قدسیہ کے افسانوں کے کردار ہر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ۔وہ جاگیر دارگھرانوں کے اہلِ خانہ سے لے کر معاشرے کےمتوسط اور کچلے ہوئے طبقے کے لوگ ہیں۔یہ کردار متحرک اور تغیر پذیر ہیں۔ ان میں زندگی کی توانائی اور حرارت موجود ہے ۔یہ کردار اپنےمخصوص طبقے اور معاشرے کے نمائندہ کردار ہیں ۔

بانو قدسیہ نے جدید دور کے انسان کی مادی ترقی اور اس کے پیچھے چھپے انسان کی عدم شناخت اور رشتوں کی پہچان جیسے موضوعات کا انتخاب کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں فر د کی نفسیاتی الجھنوں ،داخلی کیفیات اور انسانی شخصیت میں ہونے والی شکست ور یخت کو موضوع بنا کرسماجی رویوں کے ساتھ منسلک کر دیا۔ ان کے نزدیک زندگی صرف، معاشی، معاشرتی اور سماجی زنجیروں کا نام ہی نہیں۔بلکہ انسان کی انسانی رشتوں کے تقدس، خلوص، دوستی، ایثار اور قربانی جیسے مضبوط عناصر سے عبارت ہے۔ان کے ہاں بیگانگی،تنہائی،اور فرد کی آزادی متصوفانہ رنگ لئے نظر آتی ہے۔ موضوعاتی حوالے سے ان کے ہاں نیکی کی جستجو، رشتوں کا تقدس،انسانی ہمدردی اور ایثار نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں ۔ان کے ہاں انسان کی خارجی زندگی کے مسائل کے ساتھ ساتھ انسان کی داخلی واردات کا بیان بھی ملتا ہے۔ان کے افسانوں میں عورت کہیں گھریلو اور کہیں ملازمت پیشہ روپ میں سامنے آتی ہے ۔ان کے افسانے زندگی سے بھر پورہیں۔جن میں عصری شعور پوری بالیدگی کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔اگرچہ ان کے افسانوں میں خارجی و داخلی حقائق دونوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔تاہم خارج کے تجربات ان کے ہاں زیادہ جامعیت کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ خارجی حقائق کی بدولت حقیقتاً ان کے افسانوں میں ایک عہد کا شعور اُبھرتا ہےجس میں زندگی کی تلخیاں بھی ہیں اور مسرتیں بھی،خواہشات بھی ہیں اور حسرتیں بھی۔ان کے افسانوں کے موجودہ کردارزندگی کے ان تمام رنگوں کے ساتھ موجود ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نزدیک:

''انھیں اپنے معاشرے، اپنی تہذیب اپنے گردوپیش کی زندگی خصوصاً اپنی صنف یعنی طبقہ نسواں کے مسائل و حالات سے صرف دلچسپی ہی نہیں گہری محبت ہے چنانچہ وہ انہی میں سے اپنے کردار، اپنے مکالمے، اپنا پلاٹ، اپنے موضوعات اور موضوعات کی جزئیات اخذکرتی ہیں۔پھر جو کچھ اخذ کرتی ہیں اسے اپنے آدرش میں سمو کر اور دلکش و نظر گیر بنا کر معاشرے کو افسانے کی شکل میں واپس کر دیتی ہیں۔''(۳)

بانو قدسیہ نے عورت کی نفسیاتی اور باطنی پہلوؤں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں عورت کی باطنی کشمکش اور اس کی المیاتی صورتحال نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔بعض اوقات ان کے ہاں باطنی کشمکش روحانی رنگ اختیار کر لیتی ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں نہ صرف زندگی کی خارجی اور باطنی حقیقتوں کو موضوع بنایا ہے بلکہ زندگی کے حوالے سے نظریہ سازی کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اُن کے ہاں تنہائی، روحانی اضطراب اور داخلی کیفیات، عورت کے جنسی و نفسیاتی مسائل بھی افسانوں کا موضوع بنے۔ ڈاکٹر انوار احمد لکھتے ہیں:

''بانو نے اشیاء، افراد اور محسوسات و افکار کے بطن میں جھانک کر اپنے عہد کے معنی دریافت کرنے کی کوشش کی اور یہ جھانکنا نسوانی فطرت کا تقاضا تو ہو گا ہی مگر انھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تجسّس اور اضطراب ایک دردمند اور باشعور شخص کا ہے۔''(۴)

افسانہ ''دو رنگی'' میں معاشرتی ماحول کو موضوع بنایا گیا ہےجس میں ضرورت،تربیت نفع و نقصان، عادت اور فطرت کوساتھ ساتھ دکھایا گیاہے۔دلبری حیدری پولیو کاشکار دو رنگی قانون کی

حامل خاتون ہے۔ یہ ملازمت پیشہ ہے اور اپنے حالات کے لحاظ سے ماحول سے ملنے والی تربیت کے اثر کو قبول کرتی ہے۔وہ نفسیاتی اعتبار سے آزادی سے پابندی کا سفر کرنے کو تیار نہ تھی۔

افسانہ''پابند'' کی سمن اپنی ذات سے بے نیاز،اس کو سانوالے پن اور موٹاپے کا کمپلیکس تھا۔ زندگی کے جذبوں اور خواہشوں سے مزین تڑپ تب بیدار ہوئی ،جب عامر کی محبت نے اسے احساس دلایا ۔ وقت گزرنے کے ساتھ احساس کمتری کا زنگ اتر گیا۔ اب وہ با اعتماد لڑکی کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ایک کے بعد دوسرا سمن کو پسند کرتا جاتا تھا۔ تعریفوں کے انبارمیں وہ خود فریبی کے جال میں بری طرح پھنس گئی تھی۔

'' کسی شخص کوبے دست و پا کرنے میں اپنے سامنے گھٹنے ٹیک دینے میں بڑی لذت ہےآدمی سکندر بادشاہ کی طرح ہلاکو چنگیز خان کی طرح بڑا قوی محسوس کرنے لگتاہے۔''(۵)

سمن کی سوچ کو ملحوظ رکھ کر ہم اسکی نفسیات کو سمجھ سکتے ہیں۔ وہ خودبھی نہیں جانتی کہ اسے کس سے محبت ہے اور کس کے ساتھ وہ خوش رہ سکتی ہے۔ اب اس کے دل میں محبتوں کا انبار تھامگروہ چاہے جانے کے سراب سےباہر نہ نکل سکی۔

افسانہ ''سچ کا کھیل'' میں ایک امیر گھرانے کےماحول اور وہاں کی عورتوں کی ذہنیت کو موضوع بنایا گیا۔ سردارنی ایک بڑے گھر کی مالکن، جو انا پرست،خود پسند،اور علم سے پیدل مگر زمانہ ساز عورت ، وہ اپنے مقابل کسی دوسری عورت کا وجود بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ کلثوم شفیق مسیح کی اکلوتی بیٹی جو سردارنی کےگھر پر کام کرتی ۔ سردار جی جو خود باعزت اور عزت کے رکھوالے سمجھے جاتے تھے ۔وہ بھی یہاں ڈنڈی مارتے دکھائی دیتےہیں ۔ اگر بر وقت سردارنی تدبیر نہ کرتی تو سردار جی اپنے غلیظ جذبوں کی تسکین کرجاتے ۔ڈاکٹر طاہر طیب لکھتے ہیں:

'' بانو قدسیہ کو کردار نگاری پر مہارت حاصل ہے۔ وہ کردارکو تراشتے ہوئے انسان کی نفسیات کو خاص طور پر مدِ نظر رکھتی ہیں۔ اُن کے کردار زندگی کےمختلف رویوں کی بھر پور عکاسی کرتے ہیں ۔ ''(٦)

بانو قدسیہ کا افسانہ ''شاہراہ'' میں لڑکی راحیل کی یک طرفہ سچائی اور محبت کی داستا ن ہے۔وہ ایک خوش فہم لڑکی کے طور پر سامنے آتی ہے۔وہ بنا سوچے سمجھے سلیمان کی محبت کی رو میں بہہ جاتی ہے ۔ جب اسے پتا چلتا ہے کہ سلیمان شاد ی شدہ ہے ۔ جہاں نہ صرف پچھتاوا بلکہ واپسی کا سفربھی ناممکن نظر آتاہے ۔بقول الطاف فاطمہ

''بانوقدسیہ اپنے افسانوں میں انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھتی ہیں ان کےافسانے نفسیاتی نہیں لیکن نفسیاتی عوامل افسانے کے تارو پود میں شریک رہتےہیں ان کا قاری یہ محسوس نہیں کرتا کہ انہوں نے اپنی نفسیات قار ی پر مسلط کرنےکی کوشش کی ہے۔انہوں نے انسانی ذہن اور فعل کو اکائی بنا کر پیش کیا۔''(۷)

افسانہ" مراہ العروس ثانی "میں سکندرہ سو سائٹی کی امیر خاتون جو خود تو غریبی کے آنگن میں پروان چڑھی ، مگر جدید معاشرے کی اٹھان نےتہذیبی اقدار کو ختم کر دیا۔

وہ بچوں کی تربیت جدید تقاضوں سے کرنا چاہتی ہے اوران کو نظم و ضبط سکھانے پر تلی رہتی ہے ۔

''بچوں کو دباؤ گی تو یہ پھر سو سائٹی میں آگے بڑھنے کے قابل نہیں ہوں گے۔ا ن میںfight ختم ہو گی تو یہ کسی ٹینشن کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ ان کو دوسروں کودبانا جھڑکنا آنا چاہیے یہ اس دور کی اہم ضرورت ہے۔''(۸)

اس کا خودتو ایک ایسے گھرانے سے تعلق تھا جس میں بچے ماں باپ کی آنکھ کا اشارہ سمجھتے ہیں لیکن جدیدیت کے نزدیک پرانا طرز زندگی کسی ندامت سے کم نہیں۔ وہ پھر بھی بچوں کی بگڑتی تربیت پر نالاں ہے۔اس کے نزدیک بچے جب لندن جائیں گے تو خود ہی ڈسپلنڈ ہو جائیں گے۔ افسانے میں بانو قدسیہ نے انسانی نفسیاتی کشمکش کو بیان کیا ہے ۔مادہ پرستی کا یہی زہر ہمارے معاشرتی رویوں میں سرایت کر رہا ہے۔یہ افسانہ تباہ ہوتی ہوئی اقدار اور فرد کی داخلی کیفیات کا

ترجمان ہے۔

افسانہ "انتر ہوت اداسی "میں حد سے زیادہ پابندی بغاوت کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے ۔ہاجرہ کوغربت ورثہ میں ملی ۔ باپ کی موت ہوئی تو اس کی ماں اسے امیر گھرانے کے نیم پاگل سے بیاہنے کو تیار ہو جاتی ہے تاکہ دو وقت کی روٹی تو مل سکے ۔ہاجرہ کا دکھ کوئی نہیں جان سکا حتی کہ اس کی ماں بھی نہیں ۔سب نے اس کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا۔بقول ڈاکٹر عصمت جمیل:

''انتر ہوت اداسی بانو کے افسانوں میں نفسیات،جنسیات،تصوف اور پاکستانی معاشرے کی نئی عورت کے تمام رنگ موجود ہیں۔لیکن بنیادی موضوع جنس اور استحصال ہے۔''(۹)

اس افسانے میں بانو قدسیہ نے معاشرے کے متوسط طبقے کی مفلوک الحال عورت کی مجبوریوں کو پیش کیا ہے۔ عورت کی ساری زندگی روح اور جسم کا رشتہ برقرار رکھنے میں ہی صرف ہو جاتی ہے۔ ایسی عورت کو معاشرے میں کبھی اپنے تحفظ ،کبھی اپنی خوشیوں اور کبھی اپنی اولاد کے لئےمسلسل لڑنا پڑتا ہے۔

افسانہ " بہوا"ایک سگھڑ عورت محض اس لئے گھر سے مار کر نکال دی جاتی ہے کہ اسے اولاد نہیں ہوئی ۔ سماجی رویوں نے سچ جھوٹ کی پہچان کو مسخ کر دیا ہے۔ اس معاشرے میں مرد اپنی خامی کو پرکھے بنا عورت پر ظلم کرتے ہیں ۔بانوقدسیہ نے اس کہانی میں ہمارے معاشرتی رویے کو خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انہوں نے اس نسوانی کردار کے ذریعے عورت کی بےبسی کو بیان کیا ہے۔ اس طرح کے کئی نسوانی کردار ہمارے معاشرے میں موجود ہیں ۔ عفت افضل لکھتی ہیں۔

''بانو عورت کے ان گنت روپ اور چہرے قاری کے سامنے لاتی ہےہر چہرہ نت نئے نقش و نگار سے آراستہ ہے اور اپنا ایک الگ اور منفرد تاثر رکھتا ہے ''(۱۰)

افسانہ خور سال میں عابدہ غریب ہے اور ضروریات زندگی کی اشیاء بھی خریدنے سے قاصر ہے۔ اسے اپنے بچوں کا بھی خیال تھا اور اپنی کسمپرسی کا دھیان بھی۔

''منے کے پاؤں میں جوتی نہیں اوپر سے ساس صاحبہ صبح صبح سارے کمرونمیں ٹاٹ پھروا دیتی ہیں فرش باسی مولی کی طرح ٹھنڈے ہو جاتے ہیں منے کا جوتا پہلے اور باقی چیزیں بعد میں۔''(۱۱)

ماں کو خیال تو بیٹی کا بھی تھا مگر سویٹر کے بہانے نے بیٹی سے خیال اٹھا کر منے کے پاؤں پر لا دھرا۔ پرس میں سے دس روپے مگر ضرروتوں کا انبار مگر اس نوٹ سے صرف ایک ہی ضرورت پوری ہوسکتی ہے ۔ ناداری نے اسےکسی دکان پر ٹکنے نہیں دے دیاسو بہانوں میں کہیں بھاؤ تو کہیں رنگ کی نا پسندیدگی اس کے آڑے آتی اور پھر دل کو تسلیاں دیتی ہوئی آخر خالی ہاتھ گھر پلٹ آئی۔ دس روپے بچا کر گھر کی دہلیز پار کی تو ساس نے کہاوہ دس روپے مجھے دو میں نے برقعے کی سلائی کروانی ہے ۔وہ پیسے جو بچوں پر بھی خرچ نہ کر سکی چپ چاپ ساس کے ہاتھ پر رکھ دیئے یوں بہو کی ذمہ داری نے بچوں کی خواہشات کو بھی قربان کردیا۔ عفت افضل لکھتی ہیں۔

''بانو قدسیہ نے طبقاتی کشمکش،معاشرتی رسوم و رواج،نوجوان نسل کی بےراہ روی اور ان کے ذہنی مسائل،محبت جنس،عورت کا احساس محرومی،ان کاعدم تحفظ کا احساس،خوف اور ازدواجی تعلقات اور رشتوں جیسے اہم موضوع کو بڑی خوبی سے برتا ہے۔''(۱۲)

افسانہ ''سوغات'' کی شریفاں کی شرافت ہو یا تاجے کی بے راہ روی دونوں ہی زندگی کے صحرائی سفر کی مانندہیں۔شریفاں گھریلو عورت کا کردار ہے۔اس نے تاجے کوطعنے دینے کے ساتھ ساتھ اس پر دم درود ، نیازیں اور منتیں مانیں۔ اسی کے اصرار پر وہ ایک عورت کو بیاہ لایا اور کہا کہ اب برائی نہیں کروں گا۔ مگر شریفاں خود ایوب سے ہار جاتی ہے اورموقع ملنے پر کمزور پڑ گئی ۔افسانہ " واماندگیء شوق"پولی کا کردار ہمارے ہی معاشرتی کرداروں کا عکس ہے ۔ اس افسانے میں بانو قدسیہ نے ایک عام معاشرتی رویے کومحبت کے جذبے کے ساتھ ہم آہنگ کر کے پیش کیا۔افسانہ "توجہ کی طالب "کا کردار نصرت معاشرے کی ان بے خیال لڑکیوں کی ترجمان ہے جوخود کو دوسروں

کےجھولی میں ڈال دیتی ہے ۔وہ توجہ کی طالب ہوتی ہیں گویا محبت بھی بھیک کی طرح ملتی ہے ۔وہ مجید کے آگے پیچھے پھرتی اور بے جا پیار لٹاتی ہے۔

''اس نے مجید کے کندھے پر اپنا سر رکھ دیا اور آہستہ بولی میں جانتی ہوں عورتوں سے اظہار محبت کرتے ہیں لاڈ پیار تعریف سب عورت کے لئےہوتا ہے مجھ جیسی لڑکیوں کو تو ہمیشہ خود اظہار محبت کرنا پڑتا ہے ہمیں خود مرد کےپیروں میں بچھ بچھ جانا پڑتا ہے''(۱۳)

اس افسانے میں محبت کے ساتھ ساتھ معاشرے کے دھتکارے ہوئے لوگوں کے جذباتی کتھارسس کا رویہ بھی توجہ کے قابل ہے۔ افسانہ ''کلو'' میں عصری شعور کے پس منظر میں معاشرے کے مختلف رویوں کو پیش کیا ہے۔ افسانہ ''منراج کا بین'' میں بانو قدسیہ کی اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور فنی بصیرت کا فنکارانہ ثبوت ملتا ہے۔ اس افسانے کی کہانی شیخوپورہ کے ہرن مینار کے گرد گھومتی ہے جہاں جہانگیر نے اپنے محبوب ہرن کو اپنے ہاتھوں سے دفن کیا تھا۔ جہاں بانو قدسیہ نے ایک عورت کی کتھا بیان کی ہے جو دلبرداشتہ ہو کر اپنے چچا کے ہاں آجاتی ہے اور اس کی وجہ اُس کا شوہر ہوتا ہے جو زندگی بھر کی جمع پونجی پنشن بہو کے نام لکھ دیتا ہے۔ وہ عورت جب ہرن مینار کی کہانی سنتی ہے اور اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنوں کے ہاتھوں مرنا کسی کسی کو نصیب ہو تا ہے تو وہ دھاڑیں مار کر رونے لگتی ہے۔

افسانہ ''امربیل'' میں محبت کے جذبے کی طاقت کو دکھایا گیا جو ہر شے کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جاتا ہے۔ اس کے کردار المیاتی صورت لیے ہوئے ہیں اور تنہائی کے شکار نظر آتے ہیں۔ افسانہ ''محبت'' کے کردار انتہائی مضبوط اور سلیقے سے کہانیوں میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس افسانے میں محبت کے سفر میں گزرنے والی داخلی کیفیات کی فنکارانہ عکاسی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر انور سدیدکے مطابق:

''انہوں نے اپنی آرزوؤں،تمناؤں اور خواہشات کی پیش کش کے لئےافسانے کو وسیلہ نہیں بنایابلکہ جو کچھ معاشرے میں زمینی سطح پر ہو رہا ہے۔ اسے حقیقی رنگوں میں پیش کرنے کی کوشش کی۔''(۱۴)

بانو قدسیہ کے افسانوں میں کہیں متصوفانہ رنگ کی جھلک بھی ملتی ہے۔ اُن کے بعض افسانوں میں زندگی کی گہری باتوں کا پتا چلتا ہے جن کا تعلق روحانیت سے ہے ۔ان کے افسانوں میں داخلی کیفیات اور مرد وعورت کی نفسیات کے ساتھ ساتھ معاشرتی مسائل کو موضوع بنایا ہے مگر ان میں کہیں رومانوی اندازبھی نظر آتا ہے۔ بانو قدسیہ کا عصری شعور پختہ اور مشاہدہ بلیغ ہے۔ انھوں نے صرف فرد کے داخلی مسائل کو اپنی کہانیوں کا حصہ نہیں بنایا ہے بلکہ خارجی مسائل کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے رومان کو حقیقی زندگی کے ساتھ نتھی کر کے نئے اندازِ سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ہاں مابعدالطبیعیاتی معاملات کو بھی اجاگر کرنے کی کوشش نظر آتی ہے ۔ بانو قدسیہ کو کہانی کی بنت پر فنکارانہ دسترس حاصل ہے۔

بانو قدسیہ کے افسانوں میں اسلوب کے ساتھ ساتھ منظر نگاری اور فطرت نگاری کا رنگ بھی گہرا اور فنکارانہ ہے۔ اُن کی منظر نگاری جاندار ہے۔ جس سے افسانہ نگار کے گہرے مشاہدے کا اندازہ ہوتاہے۔ اُن کی کہانیوں میں منظر کشی پختہ مشاہد ے کے بل بوتے پر سامنے آتی ہے۔ وہ زندگی کو معروضی انداز میں دیکھتے ہوئے متصوفانہ ماورائیت کے ساتھ بیان کرتی ہیں۔ اُن کے ہاں حقیقت نگاری بھی جذباتیت سے لبریز ہے ۔ وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ مشاہدہ کرتی ہیں اور ماحول کو پوری مہارت کے ساتھ صفحہ قرطاس پر پیش کرتی ہیں۔ اُن کا تخیل اور مشاہدہ قابل تعریف ہے۔بانو قدسیہ نے اپنے عہد کی معاشرتی زندگی کا گہرائی سے مطالعہ کیا اور فرد کی،بے چینی،داخلی ناآسودگی،بے یقینی عدم تحفظ،کرب اور بے اعتمادی کو اپنے افسانوں میں پیش کیا۔وہ سماج میں موجود غلط رویوں،بے جا تقلید،معاشرے میں پنپنے والی برائیوں اور اقدار سے دوری کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بناتی ہیں۔بقول ڈاکٹر محمد عالم خان :

’’ اُن کے افسانوں میں سماجی و معاشرتی شعور، بصیرت اور مابعدالطبیعیاتی رنگ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ وہ انسانی زندگی اور اس سے وابستہ معاملات کو بڑی فنکارانہ مہارت سے پیش کرتی ہیں۔ اُن کے موضوعات میں تنوع اور تحریروں میں جدت پائی جاتی ہے۔ وہ انسانی معاشرے کی فریب کا ریوں اور مخصوص طبقات کی منافقت اور کھوکھلے پن کو نمایاں کرتی ہیں۔ اسکے علاوہ ان کے ہاں نچلے طبقے کی سسکتی ہوئی زندگی کا عکس بھی دکھائی دیتا ہے۔‘‘(۱۵)

بانو قدسیہ کے نسوانی کرداروں میں جہاں تنہائی، داخلی کیفیات، تشنگی، رومانوی جذبات کی عکاسی اور ماضی پرستی ملتی ہے، وہیں اُن کے کردار محبت، انسانی اقدار، جنس اور معاشرتی حقیقتوں کی آئینہ دار بھی ہیں۔ اُن کے کرداروں میں بے ساختگی اور مثالیت پسندی نظر آتی ہے۔ان کے ہاں عورت کا کرداراپنی تمام تر معاشرتی ، معاشی، جنسی ،نفسیاتی ، خارجی اور داخلی کیفیات کے ساتھ کہانیوں میں نظر آتا ہے۔انہوں نے دیہاتی اور شہری عورتوں کے ساتھ ساتھ مغربی اور مشرقی عورت کے فرق کو بھی فنکارانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ بانوقدسیہ نے معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو تخیل اور مشاہدے کے ساتھ پیش کرتے ہوئے اپنے افسانوں میں فکری اور فنی لحاظ سے فنکارانہ بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔بلاشبہ ان کے افسانوں کے نسوانی کرداروں میں عصری شعور اور پختہ تخلیقی اظہار کو واضح طور پر دیکھا جا سکتاہے۔

حوالہ جات

۱۔ حامد بیگ ،مرز، **اردو افسانے کی روایت**(۱۹۰۳ء-۲۰۰۹ء)،اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز،۲۰۱۰ء،ص۱۱۰

۲۔ سلطانہ بخش، ڈاکٹر، **پاکستان اہل قلم خواتین ایک ادبی جائزہ**،اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۳،ص۱۹۳

۳۔ فرمان فتح پوری،ڈاکٹر ، **اردو افسانہ اور افسانہ نگار**،لاہور: الوقار بپلی کیشنز، ص۳۳۲

۴۔ انوار احمد،ڈاکٹر،**اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ**،فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ ء،ص۳۸۰

۵۔ بانو قدسیہ ،**ناقابل ذکر**،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص ۳۵

٦۔ طاہر طیب، ڈاکٹر، **لاہور میں اردو افسانے کی روایت**،فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۵ ء،ص۲۵۷

۷۔ الطاف فاطمہ،بحوالہ ڈاکٹر انور سدید،**بانو قدسیہ شخصیت اور فن**،اسلام آباد:اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص۷۲

۸۔ بانو قدسیہ،**دوسرا دروازہ**،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء،ص۳۴

۹۔ عصمت جمیل،ڈاکٹر،**نسائی شعور کی تاریخ ،اردو افسانہ اور عورت**،اسلام آباد:مقتدرہ قومی زبان،۲۰۱۳،ص۲۳۲

۱۰۔ عفت افضل،ب**انو قدسیہ شخصیت اور فن**،حیدر آباد: ادارہ انشا، ۲۰۰۳ء،ص٦۸

۱۱۔ بانو قدسیہ،**باز گشت**،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱٦ء،ص۱۳۸

۱۲۔ عفت افضل،**بانو قدسیہ شخصیت اور فن** ،ص٥٦

۱۳۔ بانو قدسیہ،**کچھ اور نہیں**،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۳ء،ص ۸

۱۴۔ انور سدید،ڈاکٹر،**بانو قدسیہ شخصیت اور فن**، اسلام آباد:اکادمی ادبیات، ۲۰۰۸، ص۳۳

۱۵۔ عالم خان ، ڈاکٹر، **اردو افسانے میں رومانوی رجحانات**، لاہور:علم و عرفان پبلشرز،۱۹۹۸،ص۵۱۱